

## 400709- ایمان بالغیب کیا ہے؟ اور اس کی کیا اہمیت ہے؟

### سوال

میں نے ایک شیخ مکرم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ: اگر ہم اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو کوئی مقصد ہی باقی نہیں رہ جاتا، چنانچہ آپ فرمان باری تعالیٰ : **﴿يَوْمَئُمُونُ بِالْغَيْبِ﴾**۔ ترجمہ: اور وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ [البقرة: 3] آیت کریمہ کو صحیح سمجھ سکتے ہیں، لہذا اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تو ہی ہمارا امتحان ہے کہ کیا ہم بن دیکھے ایمان لا سکتے ہیں؟ تو اب میر اسوال یہ ہے کہ: ایک شخص اپنے بارے میں نہیں جانتا کہ کیا وہ سچا اور حقیقی مومن ہے یا نہیں؟ تو کیا انسان کا اپنے بارے میں علم نہ ہونا بھی اسی امتحان میں شامل ہے؟ مثال کے طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عذیظہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا میں متفقین میں سے ہوں یا نہیں؟ یہ بات کرنے کا میرا مقصد یہ ہے کہ: کسی امام محترم سے بھی یہ منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں: جب بھی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ میں تو ریا کاری کا مرتبہ ہو رہا ہوں تو میں اپنے عمل میں مزید اضافہ کر دیتا ہوں۔ اسی طرح کسی تابعی مکرم سے بھی یہ منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں متعدد صحابہ کرام سے ملا ہوں وہ سب کے سب اپنے آپ سے نفاق کی نفی نہیں کرتے تھے۔ تو میر اسوال یہ ہے کہ: کیا یہ سب امور معمولی ہیں؟ اور کیا کوئی بھی شخص اپنے بارے میں یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ یقینی طور پر مومن ہے؟

### پسندیدہ جواب

### TableOfContents

- ایمان بالغیب کا مضمون اور معنی
- انسان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے مقام و مرتبے کا علم نہ ہو تو اس کا ایمان بالغیب سے کوئی تعلق نہیں۔
- نفاق کا خدشہ رکھنا

اول:

### ایمان بالغیب کا مضمون اور معنی

اس میں کوئی دورانے نہیں ہیں کہ انسان کے ایمان کا جائزہ لینے کے لیے "ایمان بالغیب" بنیادی ترین حیثیت رکھتا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: **﴿الْمُلْكُ لِلّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِيْهِ جُرْدٌ لِلْمُشْفِقِينَ، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾**۔ ترجمہ: الْمُلْكُ، الْمُلْكُ لِلّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِيْهِ جُرْدٌ لِلْمُشْفِقِينَ، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ۔ الف، لام، میم۔ اس کتاب میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے، یہ متفقین کے لیے بدایت ہے۔ یہ لوگ ہیں جو ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ [البقرة: 1-3]

اور غیب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی حسی قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بھی حاصل نہ کر سکے، چنانچہ ایمانیات میں غیب سے مراد ماضی و مستقبل سے متعلق ایسی تمام چیزیں لی جاتی ہیں جن کے بارے میں ہمیں وہی نے خبر دی اور وہ چیزیں ہماری کسی بھی قسم کی دسترس سے دور ہیں، مثلاً: فرشتوں کے متعلق، بزرگی زندگی کے متعلق، اسی طرح جو کچھ بھی قیامت کے دن ہو گا، روز آخرت میں ملنے والے عذاب، نعمتوں اور حساب وغیرہ سب غیب سے متعلق رکھتے ہیں۔

اس لیے ایمان بالغیب میں ایمانیات کی بنیادی چیزیں شامل ہیں۔

علامہ واحدی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

”فَمَنْ بَارِيَ اللَّهَ تَعَالَى : (إِنْتَ) لِنَظَرِ غَيْبٍ : عَرَبِي زِبَانٍ كَيْفَ فَعَلَ ”غَابِ يَغِيبِ غَيْبًا“ كَمُصْدِرٍ ہے، اور یہ بِرَاسِ چیزٍ پَرْ بُولَاجَاتَانِ ہے جبے آپ نہیں دیکھ رہے اور وہ آپ سے غَيْبٍ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : (عَالَمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ)، یعنی وہ ذات جو ہر غَيْبٍ اور حاضر چیز کو جانتی ہے۔ اسی طرح عرب لوگ زمین میں پڑے ہوئے کھڑے کو بھی غَيْبٍ کہتے ہیں، کیونکہ ہم اور سطح پر دور سے زمین یا یہ گریضاً نظر نہیں آتا۔۔۔

ابوالعالیٰ رحمہ اللہ فرمان باری تعالیٰ : (أَوْصَنَنَ بِالْغَيْبِ). ترجمہ : اور وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ [البقرة: 3] کے متعلق کہتے ہیں : یعنی مُتَقِّیٰ لَوْگُ اللَّهُ تَعَالَیٰ پَرِ، اللَّهُ کے فرشتوں پر، اللَّهُ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر، اللَّهُ کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں، اسی طرح جنت، جسم، اللہ تعالیٰ سے ملاقات، اور موت کے بعد و بارہ جی اٹھنے پر یقین رکھتے ہیں۔

گویا کہ سورت بقرۃ کے آغاز میں جو چیز مختصر آذکر کی گئی ہے اس کی تفصیل سورت بقرۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے : (كُلُّ آمَنَ بِاللَّهِ وَكُلُّ نَجْتَهِ وَكُلُّ نَهْجَ وَرَسْلِهِ لَا نُفُوقُ بَيْنَ أَهْدِ مِنْ زَمِيلِ دَقَّالُو أَسْمَاعِنَا وَأَطْفَالُنَا خُضْرَانِكَ رَبِّنَا دَائِنِكَ الْمُصْبِرِ). ترجمہ : سب کے سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے، انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ [البقرة: 285]۔۔۔

ابوالحاج قرطی رحمہ اللہ کہتے ہیں : کوئی بھی چیز جس کا صحابہ کرام کو علم نہیں تھا، اور انہیں اس کے متعلق بنی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تو وہ غَيْبٍ ہے۔

لفظ غَيْبٍ کی وضاحت کے سلسلے میں مفسرین نے یہی طریقہ کاراپنایا ہے۔ ”ختم شد“

ماخوذ از : ”تفسیر البسطی“ (71-68/2)

علامہ قرطی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

”یہی وہ شرعی ایمان ہے جس کی طرف سیدنا جبریل علیہ السلام کی حدیث میں اشارہ موجود ہے کہ جب انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا : ”مَحْبُّهُ ایمان کے بارے میں بتلاسیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاو۔ تو جبریل نے کہا : آپ نے مجھ فرمایا۔“ علامہ قرطی رحمہ اللہ نے مکمل حدیث بیان فرمائی۔ ”ختم شد“

”تفسیر القرطی“ (1/252)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں :

”ایمان کی بنیاد ایمان بالغیب ہے، جیسے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے : (إِلَمْ، فَلَكَ النَّحْكَابُ لَأَرْبَبُ فِيهِ جَهَنَّمُ الْمُشْقِينَ، الَّذِينَ يُؤْمِنُنَ بِالْغَيْبِ). ترجمہ : الْمُتَّهِدُ، الْمُمِمُ۔ اس کتاب میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے، یہ مُتَقِّینَ کے لیے بدایت ہے۔ پر وہ لوگ ہیں جو ایمان بالغیب لاتے ہیں۔۔۔ [البقرة: 1-3]

جس غَيْبٍ پر ایمان لایا جاتا ہے وہ وہی عمومی چیزیں میں جن کے بارے میں رسولوں نے خبر دی ہے، انہی عمومی چیزوں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر ایمان، فرشتوں اور جنت و جسم پر ایمان بھی شامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، رسولوں پر ایمان، بھی ایمان بالغیب میں شامل ہے؛ کیونکہ کسی کے پاس رسالت کا درجہ ہونا بھی غَيْب سے تعلق رکھتا ہے، اور ایمان بالغیب کی تفصیل یہ ہے کہ : اللہ پر ایمان لائیں، اللہ کے فرشتوں پر ایمان لائیں، اللہ کی کتابوں پر ایمان لائیں، اسی طرح آخرت کے دن پر ایمان لائیں، ان سب چیزوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کیا ہے : (وَكُلُّ النَّبِيِّ مِنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَأَنْوَمَ الْآخِرَةَ وَالنَّلَّاَتِيَةَ وَالنَّكَابَ وَالْأَبَيِّنَ). ترجمہ : اور لیکن نیکی والا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔ [البقرة: 177] اور ایمان کا مفتاد ذکر کرتے ہوئے فرمایا : (وَمَنْ يَكْفُرُ بِاللَّهِ وَكُلُّ نَجْتَهِ وَكُلُّ نَهْجَ وَرَسْلِهِ)

**وَالْيَوْمَ الْآتِيهُ هُنَّ ضَلَالٌ مُّلَأَ لَا يَعْيَدُ**۔ ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کے رسالوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ توبت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ [النساء: 136] "نَحْمَدُ اللَّهَ عَلَى مَا يَنْهَا مِنَ الْمُجْرِمِينَ"

غیب پر ایمان و حقیقت ایسا امتحان ہے جس سے سچے اور جھوٹے ایمانی دعوے دار میں ایسا زہوتا ہے۔

الشیخ عبد الرحمن سعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

جگہ زنا دفعہ اور غیبی امور کی تنظیب کرنے والوں کا معاملہ اس کے بر عکس ہے کیونکہ ان کی عقل ان امور کو سمجھنے سے قاصر رہی اور وہ ان امور تک نہ پہنچ سکے بنابریں انہوں نے ان امور کو بھی خرابی کا شکار ہو گیا؛ جبکہ غیبی امور کی تصدیق کرنے والے اہل ایمان کی عقل ان سے ممتاز ہو گئی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مبایث کو ہمنا بنالیا۔

ایمان بالغیب سے مراد ان تمام غیبی امور پر ایمان لانا ہے جن کا تعلق ماضی، مستقبل، احوال آخربت، اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقت اور انکی کیفیات سے ہے اور ان امور کے ساتھ بھی ہے جن کی خبر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے دی ہے۔ پس اہل ایمان نہایت یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ وہ ان کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ”ختم شد

## ”تفسیر سعدی“ (40-41 ص)

واضح ہوا کہ غیر مشاہداتی امور جن کے بارے میں رسولوں نے خبر دی ان پر ایمان لانے والا شخص ہی وہ ہے جس کا ایمان ثابت شدہ ہے۔

اسی لیے فرمان باری تعالیٰ ہے: (إِنَّمَا أَنْوَمُونَ الَّذِينَ آتُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَأُوا وَجْهَهُ وَإِنَّمَا لَهُمْ دَلْسُرُمْ فِي سَيِّلِ اللَّهِ أَوْتَكَ هُمُ الصَّادِقُونَ). ترجمہ: یقیناً مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنی جانوں سے اور اللہ کی راہ میں جماد کرتے رہیں یہی سچے اور راست گویں۔ [اچحات: 15]

جبکہ کافروں میں سے متعدد ایسے ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کی طرف بھیجنے جانے والے رسول جھوٹ نہیں بولتے، لیکن غیب کا پھر بھی انکار کرتے ہیں، اور اپنے اس نظریے کے لیے کئی عذر پیش کرتے ہیں، لیکن جب یہی کافر موت کے فشتوں کو دیکھیں گے اور آخرت کا مشاہدہ کر لیں گے تو اس حالت میں ان کا ایمان قبول کرنا انہیں فائدہ نہیں دے گا، کیونکہ وہ اب تو مجبوری سے ایمان لارہے ہیں تصدیق ہو جانے کی وجہ سے نہیں؛ چنانچہ اگر انہیں دوبارہ دنیا میں آنے کا موقع ملا تو وہ پھر سے تکذیب کی اپنی اصلی روشن پرواپس آ جائیں گے۔

انہی کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے :

وَأَوْتَرْتِي إِذْ قَوْمًا عَلَى الْأَسْرِيَّةِ لَوْا يَأْتِيَكُمْ بِرَبِّنَاتٍ وَلَا يَنْكِذِبُ بِهَا يَتَّهِيَّرُونَ مِنَ الْفُؤُودِ مِنْنِي، مِنْ كُلِّ وَلَوْزَدُوا لَعَادُوا لَمَّا شَوَّا عَنْهُ وَلَا كُلُّمُ لَكَادُ بُونَ، وَقَاتُلُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَاجَاتِيَّةُ اللَّهِ فِيَّا شَغَلَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ: کاش آپ وہ وقت دیکھ سکیں جب انہیں وزن کے کنارے کھڑا کیا جائے گا تو کہیں گے: ”کاش ہم دوبارہ دنیا میں بھیجے جائیں تو اپنے پروردگار کی آیات کو بھی نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہو جائیں“ [27] (بات یوں نہیں) بلکہ اس سے بیشتر جو کچھ وہ چھپا رہے تھے وہ ان پر ظاہر ہو جائے گا اور اگر انہیں دوبارہ دنیا میں بھیجا بھی جائے تو پھر بھی وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ یہ دراصل میں ہی جھوٹے۔ [28] وہ تو یہ کہتے ہیں کہ: ”زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور (مرجانے کے بعد) ہمیں اٹھایا نہیں جائے گا“ [النعام: 27-29]

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”فَمَنْ بَارِيَ تَعَالَى : (إِنْ بِإِيمَنِنَّا كَافُورَتُخْنُونَ مِنْ قَبْلِ) میں لفظ ”بل“ سابقہ کلام کی تردید اور نئی چیز کا بیان اپنے اندر یہ معنی رکھتا ہے کہ: سابقہ آیت میں کافروں نے دنیا میں واپسی کا مطالبہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ وہ دلی طور پر ایمان قبول کرنا چاہتے ہیں، بلکہ وہ اس لیے ایمان لانے کا اعلان کر رہے ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے دکھنے والے عذاب سے ڈر گئے ہیں جو انہیں ان کے کفر کے بد لے میں دیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس عذاب سے بچنے کے لیے دنیا میں واپسی کا مطالبہ کیا نہ کے ایمان کی دل میں رغبت اور محبت پیدا ہو جانے کی وجہ سے، اسی لیے توالہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: (وَلَوْرُدُ الْعَادُ وَالْمَلَائِكَةُ قَاتِلُونَ). یعنی اگر انہیں دنیا میں لٹا دیا گیا تو پھر بھی وہاں وہی کارست نیاں کریں گے جن سے انہیں روکا جاتا ہے، اور یہ رغبت اور محبت کے ساتھ ایمان لانے کے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بتلیا: اگر انہیں دنیا میں بھیج دیا گیا تھا تو واپس جا کر بھی یہ کفر اور خالفت کا راستہ ہی اپنا کیں گے۔ (فَإِنْ لَمْ تَكُنْ بُوْنَ). یعنی وہ اپنی ان بالوں میں جھوٹے ہیں: (ذَيَايَتَنَّا رُدُّ لِمَكَذِبَتِ بَآيَاتِ رَبِّنَا وَلَكُونَ مِنَ الْمُوْنِيْنَ). یعنی: کاش ہم دوبارہ دنیا میں بھیجے جائیں تو اپنے پروردگار کی آیات کو بھی نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہو جائیں۔ اور اسی ہی: (وَقَاتُوا لَنَّا هِيَ الْأَحْيَا تَحْتَ الْأَرْضِ فَإِنَّمَا فَخَنَّقُونَ مِنْ بَيْنَ أَنْجُونَ). یعنی: زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں دوبارہ اٹھایا نہیں جائے گا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ یہ دنیا میں آکر پھر وہی سابقہ روشن اختیار کریں گے اور منع کردہ کاموں کا ارتکاب کریں گے لہذا یہ جھوٹے ہیں، بلکہ واپس جا کر یہ کیں گے کہ: (إِنْ هِيَ الْأَحْيَا تَحْتَ الْأَرْضِ). ہماری صرف یہی دنیا کی زندگی ہے، اس کے بعد آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ پھر اسی بات کی مزید تاکید کریں گے: (فَإِنَّمَا فَخَنَّقُونَ مِنْ بَيْنَ أَنْجُونَ). اور ہمیں بالکل بھی اٹھایا نہیں جائے گا۔ ”ختم شد تفسیر ابن کثیر: (3/249)

اب اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ غلبی چیزوں کے عین مشاہدے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ اچھے دل کے مالک افراد جنہیں ایمان سے محبت ہوتی ہے انہیں اس کا فائدہ ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے مشاہدے سے ان کے ایمان اور یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

جیسے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(وَذَاقُ الْقَاتِلُونَ رَبُّ أُرْبَى كَيْتَ خَيْرِي الْأَنْوَنَيْتَ قَاتَلَ أَوْلَمْ تُؤْمِنُ قَاتَلَ بَلِي وَلَكِنْ لِيَطْبَقَيْنَ فَلِيَ قَاتَلَ فَلَأَزْيَجَهُ مِنَ الْكَفِيرِ فَقَرَبَ بَلِي إِنْجُونَ عَلَى كُلِّ بَلِي مِشَنْ جَزَّأَمْ خَمْ إِذْعَنْ يَاْيِنَكَ سَيْنَأَوْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزَّزَ بِرَحْمَمْ).

ترجمہ: اور جب ابراہیم نے کہا تھا کہ: اے میرے پروردگار مجھے کھلادے کے تو ”مردوں کو کیسے زندہ کرے گا“ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: گیا تھے اس کا یقین نہیں؟ ”ابراہیم نے جواب دیا: ”کیوں نہیں! لیکن میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا تو چار پنڈے لو اور انہیں اپنے ساتھ مانوس کرلو۔ پھر ان کا ایک ایک جزو ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر انہیں پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے [البقرة: 260]

اسی بات کی طرف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں پھرتے رہتے ہیں اور اللہ کی یاد کرنے والوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پھر جہاں وہ کچھ ایسے لوگوں کو پالیتے ہیں کہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ آؤ ہمارا مطلب حاصل ہو گیا۔ پھر

وہ پہلے آسمان تک اپنے پروں سے ان پر امند تر رہتے ہیں۔ [پھر ذکر ختم ہونے پر اپنے رب کی طرف چلے جاتے ہیں۔] پھر ان کا رب ان سے پوچھتا ہے... حالانکہ وہ اپنے بندوں کے متعلق خوب جانتا ہے... کہ میرے بندے کیا کہتے ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ تیری تسبیح پڑھتے تھے، تیری کبریائی بیان کرتے تھے، تیری حمد کرتے تھے اور تیری بڑائی کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ کہا کہ وہ جواب دیتے ہیں نہیں، واللہ! انہوں نے تجھے نہیں دیکھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، پھر ان کا اس وقت کیا حال ہوتا جب انہوں نے مجھے دیکھا ہوا ہوتا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ اگر وہ تیرادیار کر لیتے تو تیری عبادت اور بھی بہت زیادہ کرتے، تیری بڑائی سب سے زیادہ بڑائی کرتے۔ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ دریافت کرتا ہے ان کا اس وقت کیا عالم ہوتا اگر زیادہ کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ دریافت کرتا ہے، پھر وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ جنت مانگتے ہیں۔ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ دریافت کرتا ہے ان کا اس وقت کیا عالم ہوتا اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو وہ اس کے اور بھی زیادہ خواہشمند ہوتے، سب سے بڑھ کر اس کے طلب گار ہوتے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے جواب دیتے ہیں، دوزخ سے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں نہیں، واللہ، انہوں نے جہنم کو دیکھا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، پھر اگر انہوں نے اسے دیکھا ہوتا تو ان کا کیا حال ہوتا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ اگر انہوں نے اسے دیکھا ہوتا تو اس سے بچنے میں وہ سب سے آگے ہوتے اور سب سے زیادہ اس سے خوف کرتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت کی۔ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر ان میں سے ایک فرشتے نے کہا کہ ان میں فلاں بھی تھا جو ان ذاکرین میں سے نہیں تھا، بلکہ وہ کسی ضرورت سے آگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ (ذاکرین) وہ لوگ ہیں جن کی مجلس میں بیٹھنے والا بھی نام رکھنیں رہتا۔) اس حدیث کو امام بخاری: (6408) اور مسلم: (2689) نے روایت کیا ہے۔

تو اس حدیث مبارک میں ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں یا جنت یا جہنم کا مشاہدہ کریں تو اس سے انہیں فائدہ ہو گا کہ ان کا ایمان بڑھ جائے گا اور قلبی تصدیق میں اضافہ ہو گا۔

آج کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی ایمان بالغیب کی بھی ایک قسم ہے، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرنے والے صحابہ کرام کو ایمانی فائدہ بھی ہو گا۔

امام سعید بن منصور رحمہ اللہ نے ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جیسے کہ: "التفسیر من سنن سعید بن منصور" (2/544) میں ہے کہ: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی، انہوں نے اعمش سے، انہوں نے عمارہ بن عمیر سے، اور انہوں نے عبد الرحمن بن یزید سے کہ وہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک بار: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اور ان کی ایمانی کیفیت کا تذکرہ ہوا تو سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرنے والوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بالکل واضح تھا۔ جبکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں! کوئی بھی مومن ایمان بالغیب سے اچھا ایمان نہیں لاسکتا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: **«إِنَّمَا، ذَلِكَ الْحَكَمَ الْأَرَبِيبُ فِيهِ يَرْبِي لِلْمُتَشَبِّهِينَ، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ»** ترجمہ: الرب، لام، میم۔ اس کتاب میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے، یہ متنیں کے لیے ہدایت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان بالغیب لاتے ہیں۔۔۔ [البقرۃ: 1-3]

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اس آیت کریمہ میں غیب سے مراد کے متعلق 6 اقوال ہیں: ۔۔۔ چھٹا قول: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے لوگوں کا ایمان ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں ہے۔ اس حوالے سے جناب عمرو بن مررہ کہتے ہیں: ایک بار سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے ان سے عرض کیا: آپ بہت خوش نصیب میں کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جادیں حصہ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے رہے۔ اس پر سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرنے والوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بالکل واضح تھا، لیکن ان سے بڑھ کر معاملہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے قرآن کریم لکھا ہوا پایا اور اس پر ایمان لائے حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تک نہیں تھا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: **«الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ»** ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان بالغیب لاتے ہیں۔۔۔ [البقرۃ: 3] ختم شد

”زاد المسیر“ (25-24/1)

انسان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے مقام و مرتبے کا علم نہ ہو تو اس کا ایمان بالغیب سے کوئی تعلق نہیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے بالکل واضح ہے کہ اگر انسان کو اپنے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبے کا علم نہ ہو تو اس کا تعلق اس ایمان بالغیب کے ساتھ نہیں ہے جبے لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور اس میں کمی ہونے پر ہمارا محسوبہ کیا جائے گا۔

بلکہ اس کا تعلق غیبی باقیوں کے متعلق اندازے لگانے سے ہے جو کہ منع ہے، اسی طرح بلاد لیل بات کرنے سے اس کا تعلق ہے جس سے ہمیں شریعت نے روکا ہے؛ اس لیے انسان کو علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کون سے اعمال قبول فرمائے گا، پھر انسان کو اپنے انجام کار کا بھی علم نہیں ہے اس لیے انسان اپنی بڑائی اور پاکبازی بیان نہیں کر سکتا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم سے نامید بھی نہیں ہو سکتا، چنانچہ انسان ہمیشہ خوف اور رجاء دونوں کی درمیانی کیفیت میں رہے گا۔

اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **۱۰۷. اَذْخُوازْ بَعْنَمْ تَعْرِفُ عَوْنَقَةَ الْمُعْتَدِينَ، وَلَا تُفْسِدُ وَالِّيَّ اَرْضَيْ بَعْدَ اَصْنَلَاجَاهَا اَذْخُونَةَ طَمَحَا اِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْخَيْرِينَ۔**

ترجمہ: تم اپنے رب کو گرگرا کر اور خنیہ انداز سے پکارو؛ وہ یقیناً حد سے تجاوز کرنے والوں سے محبت نہیں فرماتا۔ [55] زمین پر اصلاح کے بعد خرابی مت پھیلاو، اور اللہ تعالیٰ کو خوف اور امید کے ساتھ پکارو، یقیناً اللہ کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے۔ [الاعراف: 55-56]

الشیخ عبدالرحمن سعدی رحمہ اللہ کستہ ہیں:

”فرمان باری تعالیٰ: **۱۰۸. وَأَذْخُونَةَ طَمَحَا**۔“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے ڈرتے ہوئے اور ثواب کی امید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو پکارو، اسی طرح دعا کی قبولیت کی امید اور مسٹرد ہو جانے کے خوف سے پکارو۔ اس بندے کی طرح دعا نامنگو جو ناز و ادا کے ذریعے سے اپنے رب کے سامنے جرأت اور گستاخی کا مر تکب ہوتا ہے۔ جو خود پسندی کا شکار ہے اور جس نے اپنے نفس کو اس کی اصل حیثیت سے بڑھ کر حیثیت دی ہے اور نہ اس شخص کی طرح دعا نامنگو جو غافل دل کے ساتھ دعا مانگتا ہے۔ ”ختم شد“ تفسیر سعدی ”(ص 292)

اسی خوف اور امید کی وجہ سے صحابہ کرام اپنے بارے میں نفاق کا خدشہ رکھتے تھے اور اپنے آپ کو پارسا قرار نہیں دیتے تھے، نہ ہی اپنے اعمال کی قبولیت کا حتیٰ فیصلہ سنا تے تھے، بلکہ ہمیشہ یہ خدشہ رکھتے تھے کہ کہیں ان سے کوئی ایسی سرگرمی سرزد نہ ہو جائے جس سے وہ نفاق میں جاگریں اور انہیں شور بھی نہ ہو، چنانچہ صحابہ کرام اپنے آپ کو بھی بھی معصوم عن النخا قرار نہیں دیتے تھے۔

اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا: ”باب ہے اس بیان میں کہ مومن خدشہ رکھتا ہے کہ اس کے اعمال ضائع ہو جائیں اور اسے شور بھی نہ ہو۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت بیان کیا ہے کہ:

”ابراهیم تیمی رحمہ اللہ کستہ ہیں: جب بھی میں نے اپنے کردار اور گفتار کا موازنہ کیا تو مجھے ایسا لگا کہ میرا کردار میری گفتار جیسا نہیں ہے۔ ابن ابی ملکہ رحمہ اللہ کستہ ہیں: میں تیس سے زائد صحابہ کرام کو ملہوں، سب ہی اپنے بارے میں نفاق کا خدشہ رکھتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے بارے میں یہ نہیں کہتا تھا کہ: اس کا ایمان جبریل اور میکائیل جیسا ہے۔ ایسے ہی صن بصری رحمہ اللہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: نفاق کا خدشہ مومن کو بھی ہوتا ہے اور نفاق سے بے خوف منافق بھی ہوتا ہے۔ ”ختم شد“

”فتح الباری“ (110-109/1)

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ ان آثار کی شرح میں کہتے ہیں:

”اس کی بنیاد پہلے گزر چکی ہے کہ : نفاق کی دو قسمیں ہیں : نفاق اصغر اور نفاق اکبر؛ چنانچہ نفاق اصغر عملی نفاق کو کہتے ہیں اور سلف صالحین اپنے بارے میں اسی نفاق اصغر کا خدشہ رکھتے ہیں، تاہم نفاق اصغر؛ نفاق اکبر کا ذریعہ اور وسیلہ ہے؛ لہذا اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں عام طور پر نفاق اصغر کا مرتبہ ہو تو ممکن ہے کہ وہ نفاق اکبر میں بدل ہو جائے اور ایمان سے کلی طور پر خارج ہو جائے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : **﴿فَلَمَّا رَأَى غُواصَ أَرَأَى اللَّهَ تَغْوِيْتَهُمْ﴾** ترجمہ : پس جب وہ حق سے مائل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مائل کر دیا۔ [الصفت : 5] نیز فرمان باری تعالیٰ ہے : **﴿وَتَشَبَّهُ أَفْهَمُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ تَأْمِنُهُمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوْ أَنَّ مَرْءَةً وَنَذْرَهُمْ فِي طَغْيَانٍ يَغْشَوْنَ﴾** ترجمہ : اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو ایسے ہی پھیر دیں گے جیسے ان کے پہلے بھی اس پر ایمان نہیں لائے تھے، اور ہم انہیں سر کشی میں حیران چھوڑ دیں گے۔ [الانعام : 110] ”ختم شد  
”فتح اباري“ (1/195)

یہی وجہ ہے کہ اپنے ایمان کے متعلق بتلاتے ہوئے ان شاء اللہ کہنا جائز ہے، یعنی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ : ”میں ان شاء اللہ مومن ہوں“ مطلب یہ ہے کہ : ایمان میں واجب کا مہم کی تعمیل اور حرام کا مہم سے بچنا بھی شامل ہے تو مومن شخص ان دونوں قسموں کے اعمال میں کو تابی کا خدشہ رکھتا ہے اس لیے اپنے آپ کو کامل ایمان کا حامل قرار یقینی طور پر قرار نہیں دیتا کیونکہ اسے تو اس کے کامل ہونے کا علم ہی نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تھے میں : ”سلف صالحین میں سے اصحاب الحدیث جیسے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے شاگرد، سفیان ثوری، سفیان بن عینیہ، اور اکثر کوئی علمائے کرام، میحی بن سعید قطان کی اہل بصرہ سے روایت کرده روایات کے مطابق، اور امام احمد بن حنبل وغیرہ جیسے ائمہ حدیث کا موقف یہ ہے کہ ایمان کے باب میں ان شاء اللہ کے تھے۔۔۔

بلکہ ان ائمہ کرام نے بڑی صراحة کے ساتھ بتلایا ہے کہ اس باب میں ان شاء اللہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایمان میں واجب اعمال کی تعمیل شامل ہے، اس لیے وہ اپنے بارے میں کامل شکل میں ان واجبات کی تعمیل کی گواہی نہیں دیتے، بالکل اسی طرح اپنے آپ کو کامل درجے کی نیکی اور تقوی کا حامل بھی قرار نہیں دیتے؛ کیونکہ انہیں ان سب چیزوں کا علم نہیں ہے، نیز بلاد لیل اپنے آپ کو پارسا قرار دینا ہے۔“ ختم شد  
”مجموع الفتاوی“ (7/438-439)

آپ رحمہ اللہ مزید یہ بھی کہتے ہیں : ”ایمان مطلق میں ان تمام احکامات کی تعمیل بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دیئے ہیں، اسی طرح تمام ممنوعات سے بچنا بھی ایمان میں شامل ہے؛ چنانچہ اگر کوئی شخص اسی اعتبار سے کہے : میں مومن ہوں تو وہ اپنے آپ کے بارے میں گواہی دے رہا ہے کہ وہ بڑا پارسا، نیک، متقی، اور تمام احکامات کی بجا آوری لانے والا اور تمام ممنوع کا مہم سے رکنے والا ہے؛ لہذا وہ اللہ کے ولیوں میں شامل ہے۔ تو یہ انسان کی خودستائی اور ذاتی پاکیزگی بیان کرنے کے زمرے میں آتا ہے، ایسی بات کر کے انسان اپنے بارے میں ایسی گواہی دیتا ہے جس کا در حقیقت اسے اور اک بھی نہیں ہے۔ اور اگر اس کا یہ گواہی دینا درست ہوتا تو وہ اپنے جنی ہونے کی بھی گواہی دے بشرطیکہ اسی حالت میں فوت ہو۔ لیکن کوئی بھی اپنے آپ کے بھتی ہونے کی گواہی نہیں دے سکتا۔ تو گویا اپنے ایمان کی گواہی دینا ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے جنی ہونے کی گواہی دیتا ہے بشرطیکہ وہ اسی حالت میں فوت ہو۔ تو جن اہل علم کے ہاں ایمان کے باب میں ان شاء اللہ کے تھے کا جواز ملتا ہے اس کی وجہ یہی ہے، اگرچہ انہوں نے بھی ایک اور مضمون کے مطابق ترک استشائی بخاش دی ہے، اس کی تفصیلات ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔“ ختم شد  
”مجموع الفتاوی“ (7/446)

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ انسان اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں قطعی بات نہ کرے، بلکہ اسلام کے بارے میں قطعی بات کرنی چاہیے، اور انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان کے بارے میں بالکل شک نہ کرے۔

اس حوالے سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں :

”امام احمد اور دیگر سلف صاحبین اسلام کے متعلق با جزم بات کرتے تھے، اور اسلام کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے دل میں موجود ایمان کے بارے میں شک نہیں کرتے تھے۔ ان کے ہاں ایسی صورت حال میں ان شاء اللہ کننا ایمان مطلق کے بارے میں ہوتا تھا کہ جس میں تمام واجبات پر عمل بھی شامل ہوتا ہے۔“ ختم شد

ابن ابی العز رحمہ اللہ کہتے ہیں :

"جو لوگ ایمانیات کے باب میں ان شاء اللہ کہنے کے بارے میں جواز اور ممانعت دونوں کے قاتل ہیں؛ تو دلیل فریقین میں سے انہی لوگوں کے پاس ہے، اعتدال پر مبنی معاملہ ہی بہترین ہوتا ہے: چنانچہ اگر ان شاء اللہ کہنے والا شاک ایمان کی بنیاد کے متعلق کرے تو اسے ان شاء اللہ کہنے سے روکا جائے گا، اس بات میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور اگر ان شاء اللہ کئے والے کا مقصد یہ ہو کہ وہ اس طرح کا مومن ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے کہ : **﴿إِنَّمَا أَنْوَمُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجَلَّ ثُلُوبُهُمْ وَإِذَا تَبَيَّنَ عَلَيْهِمْ** آیا نہ رُزَّادٌ شَهْمٌ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ، الَّذِينَ لَيَقُولُونَ الصَّلَاةَ وَهُنَّا رَزِقُنَا نَمِيقُشُونَ، أُوْتِكُمْ هُنْمٌ أَنْوَمُونَ حَتَّىٰ لَهُمْ وَرِجَاتٌ عَذَّرَهُمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرُزْقٌ كَيْمٌ۔ ترجمہ : سچے مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کا نپ اٹھتے ہیں اور جب اللہ کی آیات انہیں سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں [2] جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ مال و دوست ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ [3] یہی سچے مومن ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں درجات ہیں، بُخُش ہے اور عزت کی روزی ہے۔ [الانفال: 2-4] اور اسی طرح فرمایا : **﴿إِنَّمَا أَنْوَمُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاءُهُمْ وَإِنْمَا لَهُمْ وَأَنْشِقُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُوْتِكُمْ هُنْمٌ الصَّادِقُونَ**۔ ترجمہ : مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہیں پڑے اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جمادی کیا۔ یہی سچے مومن ہیں۔ [الجیحات: 15] تو ایسی صورت میں ان شاء اللہ کہنا جائز ہو گا۔ ”ختم شد“

سوم

نفاوت کا خیز کرنا

دل میں نفاق کا خدشہ رکھنا تب قابل تعریف ہو گا جب یہ خوف انسان کو مزید نیکیوں کی جانب ابھارے، امّا جب انسان عبادت کرتے ہوئے ریا کاری کا خدشہ دل میں رکھے تو یہ خدشہ ایسا ہونا چاہیے جس سے انسان ریا کاری کا مقابلہ کرنے کے لیے پر عزم ہو اور یہی نہیں کہ عبادت پر گامزنا رہتے بلکہ عبادت کی مقدار میں بھی اضافہ کر دے۔ امّا ایسا خدشہ اور خوف نہیں ہونا چاہیے جو مسلمان کی عبادت میں وچھی ختم کر دے اور ریا کاری پیدا ہونے کے نام پر عبادات سے روگروان کر دے۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ